تفسیر بالرائے–اصول وضوابط اور تفاسیر برصغیر میں انحراف کا تنقیدی جائزہ

TAFSEER BIL RAI (SELF-OPINION BASED), PRINCIPALS & CRITERIA AND A CRITICAL STUDY OF DEVIATION IN EXEGESIS'S OF SUB-CONTINENT)

Abdur Razzaq

Assistant Professor, Govt. Postgraduate College, Samundari, Faisalabad.

Abstract: The main objective of the Quranic exegesis is to understanding of the extracting the orders and statements. There is two major ways/ kinds of extracting the obligations. First of them is through the "Transcribed Method" in which cognizance of exegesis can be made easily, because "Transcribed Method" is basis on the sayings of ProphetMuhammad (PBUH), their companions & Ancestors.While the second is to extract or interpret Quranic verses using self-opinion, which is called Tafseer bil Rai, a term used often on interpreting Quran by self. with is As this is fact, that everydiscussion has their own method & every sort of knowledge has theirownexperts/specialists. So, it is obligatory to know the particular person/experts of the specific field. In this article, describes the importance of exegesis kinds of Transcribed Method & their basic sources.

Keywords:Quranic, exegesis, extracting, obligations, Transcribed Method, self-opinion, Tafseer bil Rai.

تعارف

قرآن مجید قیامت تک پوری انسانیت کی رشد وہدایت کا سامان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ کے دیگر معجزات کی طرح ایک بہت بڑا معجزہ 'قرآن حکیم' ہے۔ اس کی بہت سی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ اعجاز اس میں علوم و معارف کا لامتناہی خزانہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و معرفت کا ایک ایسا خزانہ بنایا ہے کہ قیامت تک آنے والے انسان اس سے مستفید ہوتے رہیں گے اور اس میں غور و فکر کرکے علمی موتی حاصل کرتے رہیں گے۔ آپ ﷺ قرآن

CC BY

پاک کا علم سب سے زیادہ رکھتے تھے، پھر آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر ان کے بعد علمائے امت نے اپنی اپنی فہم و فراست کے مطابق علم کے اس عظیم الشان سمندر میں غوطہ زنی کی اور اپنی طاقت کے مطابق علوم و معارف کے ہیرے اور جوہرات کو تفسیر و تاویل کی شکل میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا اور یہ سلسلہ رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔

قرآن شناسی کے اصولوں میں سے تفسیر بالرائے کا موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے۔ البتہ اس موضوع کے کئی ذیلی عناوین ہیں جن کا جائزہ لیے بغیر تفسیر بالرائے کی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ متونِ احادیث میں ایسی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں جن میں تفسیر بالرائے سے ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جس شخص نے اپنی رائے کی بنیاد پر قرآن کی تفسیر کی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان روایات میں جس چیز س منع کیا گیا ہے وہ ہمارے نزدیک بالکل واضح ہے۔ خود "تفسیر بالرائے" کے عنوان سے بھی حقیقی مطلوب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے سے پہلے کوئی رائے رکھتا ہو اور پھر قرآنی آیات کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کرے تو یہ تفسیر بالرائے کی ایک صورت ہے، اسی طرح جہالت کی بنیاد پر تفسیر کرنا، علم و آگاہی کے باوجود، غلط مقاصد کی بنیاد پر اپنی رائے کو درست ثابت کرنے کے لیے تفسیر بالرائے کرنا، علم و آگاہی کے ساتھ لیکن صحیح مقصد کے لیے تفسیر بالرائے کرنا معروف صورتیں ہیں۔

تفسیر: تعریف اور اقسام

تفسیر باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے اور اس کا مادہ "ف س ر" ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی مجمل اور مبہم بات کی وضاحت کرنا یا کسی مخفی چیز سے پردہ اٹھانا، چھلکا اتارنا، بند چیز کو کھولنا۔

التَّفْسِيرُ "تَفْعِيلٌ" مِنَ الْفَسْرِ، وَهُوَ الْبَيَانُ وَالْكَشْفُ،(۱)

تفسیر تفعیل کا وزن ہے اور یہ فسر سے ہے جس کا معنٰی ہے بیان کرنا، کھولنا۔

لغوی اعتبار سے تو تفسیر کا استعمال ہر قسم کی توضیح و تشریح کے لیے ہوتا ہے لیکن مفسرین کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآن کی تشریح و توضیح کے ساتھ مخصوص ہے، مفسرین قرآن پاک کے الفاظ کی وضاحت و شرح کے لیے تو تفسیر کا لفظ

استعمال کرتے ہیں، اس کے علاوہ کس دوسری کتاب کی تشریح وتوضیح کے لیے وہ تفسیر کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ دوسری الہامی کتب اور حدیث رسول ﷺ کی تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاتا۔

تفسیر کی فنی اور اصطلاحی تعریف کیا ہے؟ اس بارے میں مختلف تعریفیں منقول ہیں۔ اختصار کے پیش نظر یہاں پر ان میں سے صرف ایک ہی ذکر کی جائے گی۔

التَّفْسِيرُ عِلْمٌ يُعْرَفُ بِهِ فَهْمُ كِتَابِ اللَّهِ الْمُنَزَّلِ عَلَى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيَانُ مَعَانِيهِ وَاسْتِخْرَاجُ أَحْكَامِهِ وَحِكَمِهِ(۲)

تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ کی کتاب کا فہم حاصل ہوتا ہے ، جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اس کے ذریعے اس کے معانی کی وضاحت ہوتی ہے اور اس کے ذریعے اس کے احکام اور حکمتیں معلوم کی جاتی ہیں۔

تفسیر کی بنیادی اقسام دو ہیں:

(۱) تفسیر بالماثور (۲) تفسیر بالرائے

تفسیر بالماثور: قرآن مجید کی تفسیر کی پہلی قسم "تفسیر بالماثور" کے نام سے مشہور ہے۔ ماثور کا لفظ 'اثر' سے ماخوذ ہے۔ اس کا مادہ 'ء ث ر' ہے۔ ماثور اس بات کو کہا جاتا ہے جو بعد والے اپنے سابقہ لوگوں سے نقل کرتے ہیں۔

وَمِنْهُ حَدِيثٌ (مَأْثُورٌ) أَيْ يَنْقُلُهُ خَلَفٌ عَنْ سَلَفٍ،(۳)

اور اسی مادہ سے حدیث ماثور ہے، یعنی وہ بات جس کو بعد والے پہلے والوں سے نقل کریں۔

تفسیر بالماثور

تفسیر بالماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جو قرآن وحدیث، اقوال صحابہ وتابعین سے ماخوذ ہو۔ چنانچہ مناع القطان تفسیر ماثور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

التفسير بالمأثور: هو الذي يعتمد على صحيح المنقول بالمراتبالتي ذُكِرت سابقًا في شروط المفسر، من تفسير القرآن بالقرآن، أو بالسُّنَّة؛ لأنها جاءت مبيِّنة لكتاب الله، أو بما رُوِي عن الصحابة؛ لأنهم أعلم الناس بكتاب الله، أو بما قاله كبارالتابعين؛ لأنهم تلقوا ذلك غالبًا عن الصحابة.(۴)

تفسیر ماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں نقل صحیح پر اعتماد کیا جائے ان مراتب کو مد نظر رکھتے ہوئے جن کو میں نے مفسر کی شرائط میں ذکر کیا ہے، یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے یا سنت سے، کیونکہ سنت قرآن کی وضاحت کے لیے ہی آئی ہے، یا وہ تفسیر جو صحابہ سے منقول ہو، کیونکہ صحابہ کرام تمام لوگوں سے قرآن کے زیادہ عالم تھے، یا وہ تفسیر جو کبار تابعین کے اقوال پر مبنی ہو، کیونکہ زیادہ امکان یہی ہے کہ انہوں نے یہ تفسیر صحابہ سے حاصل کی ہو گی۔

تفسیر بالماثور کو تفسیر بالرویت بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کا دارومدار رویت پر ہوتا ہے۔ اسی طرح تفسیر بالماثور کو تفسیر بالمنقول بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ نقل پر مبنی ہوتی ہے۔ محمد حسین ذہبیؒ کے نزدیک قرآن مجید کی اثری تفسیر چار امور پر مشتمل ہے، قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثارِ صحابہ، اور اقوال تابعین پر۔(۵)

تفسیر بالماثور کا حکم

تفسیر بالماثور کے حکم کے بارے میں مناع القطان لکھتے ہیں؛

التفسير بالمأثور هو الذي يجب اتباعه والأخذ به؛ لأنه طريق المعرفة الصحيحة.

وهو آمن سبيل للحفظ من الزلل والزيغ في كتاب الله(٦)

تفسیر بالماثور کا حکم یہ ہے کہ اس میں سلف کی اتباع کی جائے اور اس کو ان ہی سے لیا جائے کیونکہ صحیح معرفت کا طریقہ یہی ہے اور قرآن کی تشریح وتوضیح میں گمراہی اور کج روی سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ ہے۔

تفسیر بالرائے

رأی کا لفظ " رءی" سے ماخوذ ہے جس کے معنی سوچ، فکر، اجتہاد اور قیاس کے ہیں۔ اس کی جمع " آراء" آتی ہے۔

وَ (الرَّأْيُ) مَعْرُوفٌ وَجَمْعُهُ (آرَاءٌ) وَ (أَرْآءٌ)(٧)

اور رائے معروف ہے اس کی جمع آراء اور ارآء آتی ہے۔

محمد حسین ذہبی رائے کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يُطلق الرأى على الاعتقاد، وعلى الاجتهاد، وعلى القياس، ومنه: أصحاب الرأى: أى أصحاب القياس والمراد بالرأيهنا "الاجتهاد" -(٨)

تفسیر بالرائے کا اصطلاحی مفہوم

علمائے تفسیر کے ہاں تفسیر بالرائے سے مراد وہ تفسیر ہے جس میں مفسر کے اپنے اجتہاد، سوچ اور رائے کا دخل ہو۔

فالتفسير بالرأى، عبارة عن تفسير القرآن بالاجتهاد بعد معرفة المفسِّر لكلام العرب ---ووقوفه على أسباب النزول، ومعرفته بالناسخ والمنسوخ من آيات القرآن، وغير ذلك من الأدوات التى يحتاج إليها المفسِّر. (٩)

پس تفسیر بالرائے سے مراد قرآن کی وہ تفسیر ہے جو مفسر عربی کلام کی معرفت اور تفسیر کے لیے ضروری علوم اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ وغیرہ سے واقفیت کے بعد اپنے اجتہاد سے کرے۔

تفسیر بالرائے سے متعلق علماء کا موقف

تفسیر بالرائے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف موجود ہے بعض علماء تفسیر بالرائے کے مخالف ہیں۔ یہ حضرات تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے معاملہ میں عقل ورائے کے استعمال کو غیر مناسب رویہ خیال کرتے ہیں. جبکہ دوسری طرف تفسیر بالدرایت کے قائلین قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں اجتہاد اور عقل ورائے سے کام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔

مانعین تفسیر بالرائے کے دلائل

یہ طبقہ تفسیر بالرائے کی بالکل اجازت نہیں دیتا . ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کسی شخص کے لیے خود اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ماہر علم وفن ہی کیوں نہ ہو، اس ضمن میں مانعین کا طبقہ یہ دلائل دیتا ہے۔ علامہ ذہبی نے مانعین اور قائلین کے دلائل کو مفصل ذکر کیا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔اس گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر کرنا گویا مراد الٰہی کا تعین کرنا ہے اور یہ تعیین محض رائے اور ظن کی بنیاد پر کرنا ٹھیک نہیں، کیونکہ ایسا کرنا گویا بغیر دلیل کے اللہ کی طرف اس بات کو منسوب کرنا ہے جو کہ حتمی وقطعی طریقہ سے معلوم نہیں ہے۔

التفسير بالرأى قول على الله بغير علم، والقول على الله بغير علم منهى عنه

فالتفسير بالرأى منهى عنه(۱۰)

ارشاد باری تعالی ہے:

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ-(۱۱)

اس آیت سے قبل محرمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ آیت بھی اسی پر معطوف ہے محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ-(۱۲)

نیز قرآن پاک میں فرمایا:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ"(۱۳)

2۔اس باب میں دوسری دلیل وہ تمام آیات قرآنیہ ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بطور قاری، شارح، مبین مبلغ اور مفسر کی بیان ہوئی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام تھا کسی دوسرے کو قرآن کریم کے مطالب و معانی بیان کرنے کا حق نہیں ہے جیسا کہ ذیلی آیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف کا اظہار ہوتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ(۱۴)

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ(۱۵)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ(۱۶)

3۔مانعین ان روایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو قرآن میں رائے زنی کرنے کی مما نعت کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلا

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «اتَّقُوا الحَدِيثَ عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ قَالَ فِي القُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ(۱۷)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَالَ فِي القُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»: «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ»(۱۸)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن کے بارے میں بغیر علم کے کچھ کہا، تو اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَالَ فِي القُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ»: «هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ،(۱۹)

حضرت جندب بن عبد اللہ سے رویت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا، اس کی رائے درست ہوئی تو بھی اس نے غلطی کی۔

مانعین کی چوتھی دلیل صحابہ و تابعین سے نقل شدہ آثار ہیں جو اس امر پر شاہد ہیں کہ وہ حضرات تفسیر قرآن کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے اور اس میں رائے زنی سے احتراز برتا کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ایک قرآنی آیت سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ کونسا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہوں۔

"عن ابن محمد عن ابابکر صدیق رضی الله عنه فقال ایسماءِ تظلنی وایارض تقلنی اذا قلت فی کتاب الله برأئي"(۲۰)

وما ورد عن سعيد بن المسيب: أنه كان إذا سُئل عن الحلال والحرام تكلَّم، وإذا سُئل عن تفسير آية من القرآن سكت كأن لم يسمع شيئاً

وما روى عن الشعبى أنه قال: "ثلاث لا أقول فيهن حتى أموت: القرآن، والروح، والرأى".(۲۱)

حضرت سعید بن المسیب سے حلال و حرام کے متعلق جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے، مگر جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر معلوم کی جاتی تو یوں خاموش رہتے گویا کہ کچھ سنا ہی نہیں۔

امام شعبی فرمایا کرتے تھے جب تک زندہ ہوں تین چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا، قرآن، روح اور رائے و قیاس۔

ان تمام دلائل کی بنیاد پر علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جو تفسیر بالرائے ناجائز، ممنوع اور حرام تصور کرتا ہے۔

موافقین تفسیر بالرائے کے دلائل

جو لوگ تفسیر بالرائے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ قرآن پاک میں متعدد مقامات ایسے ہیں کہ جہاں اللہ سبحانہ وتعالی بندوں کو تدبر و تفکر کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس بحر علم میں غور فکر کر کے عبرت و نصیحت حاصل کریں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اس میں تدبر واجتہاد کو ممنوع قرار دیا جاسکے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا(۲۲)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ۔(۲۳)

یہ اور اس جیسی متعدد آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے غور وفکر اور تدبر کا حکم دیا ہے، یہ بتلاتی ہیں کہ تفسیر قرآن میں عقل واجتہاد، رائے اور قیاس کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل ہے۔

موافقین تفسیر بالرائے کا کہنا ہے کہ اگر قرآن پاک کا انحصار صرف روایت پر ہوتا تو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا حضرت ابن عباس سے یہ فرمانے کا کیا مطلب تھا-

اللھم فقهه فی الدین وعلمه التاویل"(۲۴)

اسی طرح سے حدیث معاذ کے مضمون سے بالکل واضح ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے قرآن پاک میں تفکر و تدبر اور استنباط مسائل کی کس طرح تحسین اور قدر دانی فرمائی ہے۔

قال: اجتھدبرائی ول اآل وفضرب رسول ﷺ صدره وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسو ل الله"(۲۵)

تیسری دلیل صحابہ کی آراء کا باہم مختلف ہونا ہے۔

صحابہ کرام جب قرآن کریم کے معانی ومطالب بیان کرتے تو اس میں باہم اختلاف بھی کرتے تھے کیوں کہ کچھ معانی و مطالب آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بیان کیے تھے اور بعض انہوں نے اپنی ذاتی کوشش اور رائے سے معلوم کیے تھے اگر تفسیر بالرائے ممنوع ہوتی تو صحابہ کرام کا غور وفکر کے ساتھ اختلافِ معنی کا شکار نہ ہوتے۔" (۲۶)

تفسیر بالرائے کے جواز کی ایک بڑی دلیل اجتہاد کا جائز ہونا ہے، کیونکہ تفسیر بالدرایت کا عدم جواز اجتہاد کے عدم جواز کو مستلزم ہے، جب کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ڈاکٹر ذہبی نقل کرتے ہیں:

"قالو لو كان التفسير بالرائ غيرجائزلما كان الاجتهادجائزا ولتعطل كثير من الاحكام ،وهذ ا بين البطلان وذلک الاجتهادجائزاً لايزال مفتوحا الى اليوم امام اربابه والمجتهد فى حكم الشرع ماجورا اصاباو اخطاء والنبیﷺ لم يفسر كل آيات القران ولم يستخرج لناجميع مافيه الاحكام۔(۲۷)

موافقین کا کہنا ہے کہ جن احادیث میں قرآن پاک کے بارے میں رائے زنی سے روکا گیا ہے اس سے مراد وہ ظن محض ہے جو بلا دلیل ہے۔جن احادیث میں قرآن حکیم کے معنی ومفہوم سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی رائے زنی ہے جو دلیل وبرہان کے بغیر ہو۔جہاں تک دلیل کے ساتھ رائے کا تعلق ہے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

مانعین کے دلائل کے جوابات

محمد حسین ذہبی نے مانعین کی طرف سے ذکر کردہ تمام دلائل کے جوابات بھی بڑی شرح وبسط کے ساتھ دیے ہیں جن کا خلاصہ ذیل کی سطور میں ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ مانعین کی پہلی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ تفسیر بالرائے میں اللہ تعالی کی مراد کو واضح کیا جاتا ہے جو کہ از روئے قرآن ممنوع ہے۔مجوزین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ رائے سے مراد یہاں پر گمان غالب ہے اور وہ علم ہی ایک قسم ہے، جو ممنوع نہیں ہے۔اور اگر ظن ممنوع ہو بھی تو وہ اس وقت ممنوع ہے جب علم یقینی تک رسائی ممکن ہو، ورنہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

لاَ یُکَلِّفُ اللہ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَہَا(۲۸)

کوئی انسان اپنی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے۔

2۔ مانعین کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے، کہ بے شک آپ ﷺ کا کام تفسیر قرآن کرنا تھا، لیکن آپ ﷺ سے پورے قرآن کے بارے میں تفسیر منقول نہیں ہے اور آپ اس دنیا سے پردہ فرما گے ہیں، لہذا جو باتیں آپ ﷺ سے منقول ہیں ان پر عمل کیا جائے گا جو منقول نہیں ان پر اہل علم غور غوض کریں گے.

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ(۲۹)

3- مانعین کی تیسری دلیل وہ احادیث ہیں جن میں رائے سے تفسیر کی ممانعت آئی ہے۔ مجوزین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان احادیث میں اس رائے کی ممانعت ہے جو بغیر علم اور اصول شریعت کے مخالف ہو۔ مطلقاً ممانعت نہیں ہے۔ یا نہی وارد ہے متشابہات کے بارے میں۔

4- مانعین کی طرف سے چوتھی دلیل تفسیر بالرائے کے بارے میں سلف کا طرز عمل ہے۔ مجوزین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ان کی احتیاط اور خوف تھا۔ وہ اس کو ناجائز نہ سمجھتے تھے۔ یا یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی احتیاط بھی وہاں ہوتی تھی جہاں ان کو درست جہت معلوم نہ ہوتی تھی۔ ورنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کلالہ کے بارے میں اپنی رائے دیتے تھے۔

مانعین پر امام غزالی کا نقد:

تفسیر بالروایت کے قائلین حضرات کی طرف سے تفسیر کی مذمت میں عام طور پر جو نصوص پیش کی جاتی ہیں اور ان کا جو مصداق ومفہوم بیان کیا جاتا ہے امام غزالی نے اس پر شاندار انداز میں نقد کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ممانعت کے باب میں واقع نصوص کا اگر یہی مطلب لے لیا جائے جو مانعین تفسیر بالرائے بیان کرتے ہیں تو ایسا کرنے سے درجہ ذیل امور کا پھر کیا جواب ہو گا؟

فان صح ماقالہاھلالتفسیر فما معنی فهم القرآن سوى حفظ تفسيره----وقال ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيراً كثيراً يعني الفهم في القرآن(۳۰)

ان اہل تفسیر حضرات نے جو کچھ کہا، یعنی تفسیر بالرا ئے کے عدم جواز کے بارے میں، اگر اسے درست مان لیا جائے تو تفسیر حفظ کرنے کے سوا فہم قرآن کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟۔ حالانکہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالی کے ارشاد" ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيراً كثيراً کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فہم قرآن ہے۔

قا ل علی الا ان یوتی اللہ عبداً فہما فی القرآن فان لم یکن سوی الترجمۃ المنقولۃ فما ذلک الفہم(۳۱)

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ عنایت فرماتا ہے۔اگر قرآن کے معنی سوائے ترجمہ منقول کے اور کچھ نہیں ہیں تو پھر اس فہم اور سمجھ سے کیا مراد ہے؟۔

تفسیر بالرائے کی اقسام

علماء نے تفسیر بالرائے کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(1) تفسیر بالرائے الممدوح: اسے محمود، جائز، صحیح اور مقبول بھی کہتے ہیں۔

(2) تفسیر بالرائے المذموم: اسے غیر ممدوح، غیر محمود، ناجائز، غیر صحیح اور غیر مقبول بھی کہتے ہیں۔

بقول صبحی صالح: "ایک طرز تفسیر کا نام "تفسیر بالرائے" ہے۔اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔اس کی ایک قسم ممدوح اور دوسری مذموم ہے۔اگر یہ قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو ممدوح اور اگر بعید ہو تو مذموم ہے" (۳۲)۔

علامہ زرقانیؒ نے بھی تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔

التفسير بالرأي الجائز منه وغير الجائزالمراد بالرأي هنا الاجتهاد فإن كان الاجتهاد موفقا أي مستندا إلى ما يجب الاستناد إليه بعيدا عن الجهالة والضلالة فالتفسيربه محمود وإلا فمذموم۔(۳۳)

تفسیر بالرائے سے مراد یہاں اجتہاد ہے، پس اگر وہ اجتہاد مستند ہو، جہالت اور گمراہی سے دور ہو تو یہ تفسیر بالرائے محمود ہے ورنہ تفسیر بالرائے مذموم ہو گی۔

تفسیر بالرائے کو علمائے تفسیر "تفسیر بالمعقول اور تفسیر بالاجتہاد کا نام بھی دیتے ہیں، کیونکہ تفسیر بالرائے اجتہاد، رائے اور عقل پر مبنی ہے اس سے مراد قرآن کی وہ تفسیر ہے جس میں مفسر کے ذاتی اجتہاد کا عمل دخل ہو، اجتہاد کرنے والے کو مجتہد کہتے ہیں۔اور تفسیر میں مجتہد صرف وہی ہوتا ہے جو تفسیر کے لیے ضروری علوم میں ماہر ہو۔

علامہ سیوطیؒ نے مفسر کے لیے درج ذیل پندرہ علوم ضروری قرار دیئے ہیں۔

ا۔ علم لغت '۲۔ علم النحو '۳۔ علم صرف '۴۔ علم اشتقاق '۵، ۶، ۷۔ معانی، بیان وبدیع (علم بلاغت) ۸۔ قراءت ۹۔ علم الکلام 10۔ علم اصول فقہ 11۔ اسباب نزول 12۔ علم ناسخ ومنسوخ 13۔ علم فقہ ۱۴۔ علم حدیث ۱۵۔ علم الموہبۃ(۳۴)

تفسیر بالرائے مذموم کا حکم

شیخ القطان رائے مذموم پر مبنی تفسیر کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و تفسیر القران بمجرد الرائی و الا جتہادمنغیراصلحراملا یجوز تعاطیہ(۳۵)

محض رائے اور ظن پر مبنی تفسیر جو بلا اصل ہو حرام ہے اور اس میں مشغول ہونا جائز نہیں ہے۔

ادلہ میں تطبیق

تفسیر بالرائے کی موافقت ومخالفت کے باب میں وارد نصوص کا اگر تقابلی طرز پر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ دلائل باہم متعارض و مخالف نہیں ہیں، اس لیے کہ جن دلائل میں تدبرو تفکر اور رائے کی تحسین
ک ی گ ئ ی ہ ے ت و ی ق ی ن اَ اس س ے م راد م طل ق رائ ے ن ہ ی ں ہ و س ک ت ی ب ل ک ہ اس س ے م راد ای س ی رائ ے
اترتی ہو۔ اسی طرح جن دلائل میں رائے کی ذم وقدح وارد ہے تو اس سے مراد بھی ہر رائے نہیں بلکہ وہ خاص رجحان ہے جو مزاج شریعت سے بعد رکھتا ہو اور اپنی من مانی تاویلات کو شریعت میں داخل کرنے پر مصر ہو۔ تو اس ساری بحث سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ نزع زیادہ تر لفظی ہے نہ کہ حقیقی۔ بلکہ میری ناقص رائے کے مطابق تو اہل سنت والجماعت میں سے کوئی بھی قابل ذکر فرد ایسا نہیں ہو گا جو تفسیر بالرائے المحمود کا انکار کرتا ہو، اور اسی طرح کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہو گا جو ایسی تفسیر بالرائے کی اجازت دیتا جو مزاج شریعت سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔

البتہ گمراہ فِرق میں ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں جو محض رائے کو بنیاد بنا کر شریعت کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر کے تفسیر بالرائے کرنے کے قائل ہیں۔ اس صورت حال کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے، کہ اہل سنت والجماعت میں سے جن حضرات نے تفسیر بالرائے کی مخالفت کی ہے، ان کی مراد ایسی تفاسیر ہیں جن میں مفسر کے اندر یا اہلیت ہی نہیں پائی جاتی، یا مسلمہ اصولوں کو بوقت تفسیر نظر انداز کر دیتا ہے اور اپنے رائے کو شریعت بنا کر پیش کرتا ہے۔

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے میں تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصول

دور حاضر میں مغربی تہذیب سے متاثر مصنفین بعض اوقات الفاظ قرآن میں محض اس بنا پر دور دراز کی تاویلات اختیار کرتے ہیں کہ ان کا ظاہری مفہوم خلافِ عقل ہے، اور دلیل میں علمائے متکلمین کا یہ قاعدہ نقل کرتے ہیں کہ "اگر نقلی دلائل عقلی دلائل کے خلاف ہوں تو عقلی دلائل پر عمل کیا جائے گا، نقلی پر نہیں۔ اس غلط فہمی کے تدارک کے لئے اس اصول کی مکمل وضاحت ضروری ہے۔

عقلی اور نقلی دلائل میں تعارض کی کل چار صورتیں ممکن ہیں۔ (1) دونوں قطعی ہوں (2) نقلی قطعی ہو اور عقلی ظنی ہوں (3) عقلی قطعی اور نقلی ظنی ہوں (4) دونوں ظنی ہوں۔ (۳۶)

(1) پہلی صورت جس میں عقلی اور نقلی دلائل دونوں ہی قطعی ہوں ان میں تعارض عملا ممکن ہی نہیں، کہ کوئی دلیل عقلی قطعی کسی دلیل نقلی قطعی کے مخالف نہیں ہو سکتی، کیوں کہ صادقین میں تعارض محال ہے، یعنی دو مبنی بر حقیقت چیزوں میں تعارض نہیں ہو سکتا۔ جب ان دونوں میں تعارض ممکن نہیں تو اس کی کوئی مثال بھی نہیں ہے۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور دلیل عقلی ظنی ہو۔ اس صورت میں ظاہر ہے دلیل نقلی کو ترجیح ہو گی اس کی مثال وہ آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اور پھر اس ایک انسان سے اس کی بیوی کو وجود بخشا، پھر ان دونوں سے نسل انسانی میں اضافہ کیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (۳۷)

مزید ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً(۳۸)

ان قطعی دلائل کے مقابلے میں تخلیق انسان کے بارے میں ظنی دلائل وہ مختلف نظریات ہے جن میں تخلیق انسان کے مختلف قیاسی اور ظنی دعوے کیے گے ہیں، جیسے ڈارون کا نظریہ ارتقاء۔ ظاہری بات ہے یہاں نقلی دلائل کو ان ظنی دلائل پر ترجیح ہو گی جو ڈارون نے اپنے نظریے کے اثبات پر دیے ہیں۔

(3) تیسری صورت یہ ہے کہ دلائل نقلی ظنی ہوں اور دلائل عقلی قطعی ہوں، اس صورت میں دلائل عقلیہ کو دلائل نقلیہ پر ترجیح ہو گی۔ اور یہ ہی وہ ایک صورت ہے جس کے بارے میں علمائے متکلمین نے کہا ہے کہ دلائل عقلیہ کو نقلیہ پر ترجیح ہو گی۔(۳۹)

جس کو متجددین نے اتنا عام کر دیا کہ جہاں بھی کوئی بات خلاف عقل نظر آئی اس میں ایسی تاویلات شروع کر دیں جس سے بہت زیادہ گمراہیاں پھیلیں۔ اس کی مثال اللہ تعالی کا ارشاد

حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ(۴۰)

یہاں تک کہ جب وہ مغرب میں پہنچے تو سورج کو ایک کیچڑ والے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا۔

اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سورج زمین میں ڈوبتا ہے۔ جب کہ مشاہدہ اور عقل یہ بتاتی ہے کہ زمین اور سورج کا کہیں ملاپ نہیں ہوتا، یہاں دلیل عقلی قطعی ہے۔ جب کہ نقلی ثبوت کے اعتبار سے تو قطعی ہے، لیکن دلالت کے اعتبار سے ظنی ہے، لہذا اصول کے مطابق عقلی قطعی کو ترجیح ہو گی اور نقلی میں تاویل ہو گی کہ ذوالقرنین کو محسوس ایسا ہوا ہو گا جیسے سورج دلدل میں غروب ہو رہا ہے۔

(4) چوتھی صورت جس میں دونوں ظنی ہوں، یعنی دلائل نقلیہ اور عقلیہ دونوں ہی ظنی ہوں۔ اس صورت میں بھی تمام علماء متکلمین کا اتفاق ہے کہ دلائل نقلیہ کو ترجیح ہو گی، کیوں کہ الفاظ میں اصل حقیقت ہے، مجازی معنی کسی مجبوری کی بنا پر اختیار کیے جاتے ہیں، جیسا کہ ان کے متعارض عقلی قطعی دلائل ہوں، لیکن جب ان کے مقابل عقلی ظنی دلائل ہوں تو مجازی معنی مراد لینے کی کوئی مجبوری نہیں، کیوں عقلی ظنی دلائل کبھی عالمگیر اور ابدی نہیں ہوتے، ایک شخص انہیں تسلیم کرتا ہے تو دوسرا ان کا منکر ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں انہیں علم سمجھا جاتا ہے تو دوسرے زمانے میں جہالت تصور کیا جاتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں، ایک زمانے میں اشتراکی نظام کو انسانوں کا نجات دہندہ تصور کیا جاتا تھا، پھر سرمایہ دارانہ نظام نے اسے شکست دی، اب اس کے خلاف بھی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور اسلام کے ابدی نظام کی طرف لوگوں کی نظریں اٹھ رہی ہیں۔

مفتی تقی عثمانی کا اقتباس:

اسی طرح سائنسی میدان میں ایک سائنس دان کوئی نظریہ پیش کرتا ہے تو پوری دینا میں اس کا طوطی بولتا ہے، پھر چند دنوں، مہینوں یا سالوں بعد کوئی دوسرا سائنس دان اپنے دلائل سے اس سابقہ نظریہ کی ایسی دھجیاں اڑادیتا ہے کہ اسے جہالت سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ہر بعد میں آنے والا سائنس دان اپنے سے پہلے والے کے نظریات کی تردید کرتا نظر آتا ہے۔ مرورِ زمانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام کے نظریات باطل، عقل سلیم اور مشاہدہ کے خلاف تھے (۴۱)

تفسیر بالرائے الجائز کے اصول وضوابط

مختلف علماء نے تفسیر بالرائے الجائز کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں۔ اگر ان اصولوں کے مطابق تفسیر ہو تو جائز ہو گی ورنہ ممنوع اور مذموم ہو گی- جن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی ان کے ترک کرنے سے پیدا ہونے والی گمراہیوں کا جائزہ بھی لیا جائے گا، کہ گمراہی کا سبب کیا ہے۔

1- مفسر، تفسیر کے لیے ضروری علوم میں مہارت رکھتا ہو؛ یعنی ایسی کوئی تفسیر معتبر نہ ہو گی جو قواعد عربیہ اور اہل لسان کے استعمال اور ان کے اصول وضوابط اور طرق متعارفہ کے خلاف ہو۔ علامہ سیوطی نے بڑی تفصیل سے ان علوم کو بیان فرمایا ہے ان میں سے کسی بھی علم وفن کی کمی تفسیر میں گمراہی کی شکل میں سامنے آتی ہے، ان علوم میں سب سے پہلا علم لغت ہے، بدیہی بات ہے کہ قرآن عربی میں ہے تو عربی زبان اور اس کے محاورات سے ناواقف شخص تفسیر قرآن میں گمراہی کا شکار ہی ہو گا، اس کی مثال

وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا(۴۲)

اس آیت مبارکہ کا سیدھا سا مطلب ہے کہ بنی اسرائیل نے پانی مانگا تو موسی علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے عصا کو پتھر پر مارا، پھر اس سے بارہ چشمے نکلے۔ یہاں پر سرسید احمد خان صاحب نے "الحجر" سے مراد پتھر کے بجائے پہاڑ اور "ضرب" سے مراد چلنا لیا ہے۔(۴۳)

ان کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی لاٹھی کے سہارے پہاڑ پر چل، اس پہاڑ کے آگے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے ہیں، سید صاحب کیوں کہ معجزات کو نہیں مانتے اس لئے انہوں نے عربی لغت کو بالائے تاق رکھتے ہوئے اپنی مرضی کے معانی مراد لیے ہیں جو عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتے۔

اسی طرح ہر ایک فن میں ناقص شخص مختلف قسم کی گمراہیوں کا شکار ہو گا۔ علامہ سیوطی نے ان میں سے اکثر کی امثلہ دی ہیں۔

2- تفسیر ماثور کو معقول پر فوقیت دے۔ یعنی ایسی کوئی تفسیر مقبول و معتبر نہ ہو گی جو حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ کے خلاف ہو، اس اصول کی اوپر بڑی تفصیل سے وضاحت کر دی گئی ہے، یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ(۴۴)

اس آیت مبارکہ سے وحدت ادیان کا تصور پیش کرنا، اور یہ کہنا کہ جو شخص اللہ تعالی، یوم آخرت پر ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے وہ بھی مسلمانوں کی طرح آخرت میں کامیاب ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد اس نظریے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے، نسل و خاندان یا مذہبی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہوگے تو ان کی نسل ان کے کام نہ آئی، نہ یہودیت کی گروہ بندی سودمند ثابت ہو سکی۔ خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے؟(۴۵)

اس آیت مبارکہ کی یہ تفسیر درست نہیں، کیوں کہ بہت سی مرفوع احادیث سے ایمان باللہ کی وضاحت اللہ تعالی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر لانے سے ہوتی ہے، مثلا

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ قَالَ « وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لاَ يَسْمَعُ بِى أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ يَهُودِىٌّ وَلاَ نَصْرَانِىٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِى أُرْسِلْتُ بِهِ إِلاَّ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ».(۴۶)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس امت کا کوئی بھی یہودی اور عیسائی جو میری بعثت کے بارے میں سنے اور پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے تو وہ اصحاب النار میں سے ہو گا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تفسیر درست نہیں اور وہ تفسیر مذموم کے زمرے میں آتی ہے۔

3-شریعت کے مسلمہ اصولوں اور مزاج شریعت کے مخالف رائے سے تفسیر نہ کرے۔یعنی ایسی تفسیر معتبر نہ ہو گی جس میں اصل شریعت کا انکار وابطال لازم آئے۔

مثلاً کسی تفسیر سے انکار معجزات، حشر ونشر، وزن اعمال اور ملائکہ وشیاطین کے وجود کا انکار لازم آتا ہو، یا جنت اور جہنم کی تردید ہوتی ہو۔ایسی تمام تفاسیر تفسیر مذموم کے زمرے میں آتی ہیں۔

مثلاً سر سید احمد خان صاحب فرشتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> " قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے، ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔۔۔ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قوتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کی پیدا کی ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے "(۴۷)

مولانا کاندھلوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> " بعض لوگوں نے تفسیر کے عنوان سے ایسی کتابیں لکھیں ہیں کہ ان کے مطالعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی غرض صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے ان حقائق کا رد ہو جن پر دین قائم ہے۔لھذا قیامت، حشر ونشر، جنت وجہنم اور معجزات کی آیات ومضامین کی ایسی تشریح کی جاتی ہے کہ اس سے نہ قیامت باقی رہتی ہے نہ جنت وجہنم اور نہ حشر ونشر" (۴۸)

4-رائے کو ایک آلے کے طور پر استعمال کرے، اصل بنا کر قرآن کو اس کے تابع نہ کرے۔

سر سید احمد خان اور غلام احمد پرویز کی تفاسیر میں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جا سکتیں ہیں، سر سید احمد خان صاحب نے اپنی رائے اور عقل سے ایک فطرت کا اصول وضع کیا پھر جہاں قرآنی آیات اس کے خلاف نظر آتی گئیں ان میں تاویل کرتے گئے چناں چہ انہوں نے تمام معجزات کا انکار اسی اپنے خود ساختہ اصول کی بنا پر کیا ہے۔ یہی حال غلام احمد پرویز صاحب کی تفسیر کا ہے۔

5- مفسر کی نیت مراد الٰھی تک پہنچنا ہو، اپنے قائم کردہ نظریات کا ثبوت مقصود نہ ہو۔ قرآن اللہ تعالی کی کتاب ہے تو اس کی صحیح تفسیر وہ ہی ہو گی جو اس نیت سے ہو کہ اصل مقصد اللہ تعالی کی مراد و منشا کو سمجھنا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص محض اپنی عقل کی بنا پر پہلے سے چند نظریات اپنے ذہن میں بٹھالے، اور پھر قرآن پاک کو ان مخصوص نظریات کی بنیاد پر پڑھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی اس مقدس کتاب کو ہدایت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے مخصوص عقلی نظریات کے ثبوت کے لئے پڑھ رہا ہے۔ ظاہر جو شخص اپنی عقل کو قرآن کا خادم بنانے کے بجائے قرآن کو اپنی عقل کا خادم بنانا چاہتا ہو تو ایسا شخص اللہ تعالی کی صحیح مراد تک پہنچنے کے بجائے مذید اپنی گمراہی کی دلدل میں پھنستا چلا جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے ارشاد باری تعالی ہے:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا(۴۹)

اللہ تعالی اس قرآن کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔

لہذا قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو دوسرے نظریات سے خالی کر کے ایک طالب حق کی طرح قرآن کی طرف رجوع کیا جائے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالی سے مدد و نصرت مانگنے کے ساتھ ہدایت کی بھی دعا کی جائے۔

6- کسی آیت کی منقول تفسیر کو محض اس وجہ سے رد کرنا کہ اس کی حکمت ہماری عقل اور رائے سے بالا ہے، یا ہمارے زمانے سے مطابقت نہیں رکھتی، بہت بڑی گمراہی اور ضلالت ہے- مثلا

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا(۵۰)

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

یہ اور دیگر اسلامی سزاوں کے بارے میں بہت سے لوگ مغرب سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے مغرب راضی ہو جائے۔ یہ طریقہ جہالت اور گمراہی ہے۔

7-جہاں کوئی بات سلف سے منقول نہ ہو اور مذکورہ اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جب مفسر رائے دے تو اسے رائے کے درجے میں ہی رکھے، قطعیت کے درجے میں نہ لے جائے۔ کیوں کہ اس میں دوسرے علماء کو بھی اپنی رائے دینے کا حق ہے، یہ آراء کیوں کہ منصوص نہیں ہیں لہذا ان کو ظنی درجہ میں رکھا جائے گا۔ ان آراء کو قطعیت کا درجہ دینا جہالت اور گمراہی ہے۔

8-مقاصد قرآن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو تفسیر کی جائے وہ درست اور معتبر ہو گی، جب کہ اس کے برعکس وہ تفسیر جس میں آیات قرآنیہ کو قرآن کے حقیقی معانی اور مقاصد پر محمول کرنے کے بجائے اصول سائنس وفلسفہ، معاشی و صنعتی، زرعی ایجادات اور جدید ٹیکنالوجی کی تحقیقات پر منطبق کیا جائے اور قرآن کا مقصود اصلی انہی کو قرار دیا جائے تو یقیناً ایسی تفسیر ذہنی اختراع، مغرب سے مرعوبیت اور مزاج شریعت سے بعد کا شاخسانہ ہو گئی۔

اس نوع کی مثال وہ تمام تفاسیر ہیں جن میں قرآن کو مکمل طور پر ایک سائنسی، معاشی، سیاسی اور فلسفہ کی کتاب کے طور لیا گیا ہے۔ مثلاً عنایت اللہ مشرقی لکھتے ہیں:

> تم یورپ کو دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہاری ان بے جان نمازوں اور ریاکار سجدوں، تمہارے بے جان کلمہ شہادت، بلکہ تمہارے اس آج کل کے ساکن اور جامد قرآن اور خدا کے بدوں نعمت اور فضل، فلاح اور خوشنودیِ خدا کی کس معراج اور ترقی کی کس فضیلت پر پہنچ چکا ہے، مگر تم کو خبر نہیں کہ وہ قانون فطرت کی اس بے بدل کتاب کے کس قدر تھوڑے حصے کی کس سختی سے پیروی کر رہا ہے۔ تم کو معلوم نہیں کہ خدائے بے نیاز کی رگ لطف و کرم ان کے حق میں کیوں پھڑک رہی ہے۔(۵۱)

مشرقی صاحب کے بقول قرآن ایک سائنسی کتاب ہے۔ مغرب نے اسے سائنس سمجھ کر پڑھا، اس لئے وہ ترقی کر گئے ہیں اور اللہ تعالی نے ان پر اسی وجہ سے اپنا کرم کیا ہوا ہے، جب کہ مسلمانوں نے قرآن کو اس انداز میں نہیں سمجھا، چناں چہ وہ اللہ تعالی کے لطف و کرم سے محروم ہیں۔

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ تفسیر کے باب میں اصل تو نقل ہی ہے البتہ جہاں عقل ورائے کی گنجائش ہوگی وہاں اس خدائی نعمت سے استفادہ ضرور ہوگا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ استعمال کے باب میں یہ صلاحیت نقل ہی کہ تابع رہتے ہوئے کام میں لائی جائے گی۔

2۔ تفسیر بالرائے کے جواز اور عدم جواز کا مانعین وموافقین کا نزاع محض لفظی ہے نہ کہ حقیقی۔ کیونکہ اگر منع رائے کے باب میں وارد نصوص کا وہی مطلب لیا جاوے جو مانعین بیان کرتے ہیں، پھر یقینا تفسیر کا پہلو اس قدر محدود ہو جاتا ہے کہ قرآن کے ایک بڑے حصے سے استفادہ ممکن نہیں رہے گا، مزید یہ کہ تفسیر بالماثور کے ایک بڑے حصے میں بھی رائے کا عمل دخل ہے جیسا امام غزالی نے واضح فرمایا ہے۔

3۔ جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ گر تفسیر بالرائے کی مطلق اجازت دے دی جائے تو بے باکوں کا وہ طبقہ جو اپنی رائے کے اظہار میں نہ صرف قرآن کی قرآنیت کو مجروح کرتا ہوا نظر آتا ہے، بلکہ وہ اتباع ہوی میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ عربی لغت اور الفاظ کے لغوی معنی کی رعایت سے بھی آزاد ہو گیا ہے، ایسے لوگوں کو قرآن کے باب میں من مانی تاویلات کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے گی تو یہ پہلو اول الذکر امر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

4۔ ان مذکورہ مقدمات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ امر واضح ہوا کہ سلف کے مابین دو انتہائی آراء کا وقوع ممکن نہیں۔ اگر کسی نے اختلاف کیا ہے تو وہ تفسیر مذموم سے کیا ہے اور جس نے اجازت دی ہے تو وہ اس رائے کی دی ہے کہ جو مذکورہ اصولوں کے مطابق ہو، البتہ جہاں کہیں نقل صحیح اور عقل کے مابین تعارض ہو گا تو نقل ہی کو مقدم رکھا جائے گا۔

5۔ عصر حاضر کا وہ تفسیری رجحان جس میں نہ صرف تفسیر اپنی مرضی سے کی گئی بلکہ اپنے نظریات کے مطابق اصول تفسیر بھی اپنے وضع کر لئے ہیں۔ تو ایسی اختراعات کو صرف سمجھنے کی حد تک ہی تفسیر کے نام سے معبر کیا جائے گا، ورنہ یہی وہ رجحان ہے جسے قرآن نے **إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ** (۵۲) سے تعبیر کیا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات وحواشی (References)

[1] سیوطی، عبد الرحمن بن أبي بکر، الإتقان في علوم القرآن، الھیئة المصریة العامة للکتاب، 1394ھ / 1974ء، 4/192

Suyuti, Abd al-Rehman bin Abi Bakr, Al-Ittiqan fi Ulum al-Quran, Al-Hai'ah al-Misriyyah al-Ammah al-Kitab, 1394AH/1974, 4/192

[2] زرقاني، محمد عبد العظیم، مناھل العرفان في علوم القرآن، مطبعہ عیسی البابي الحلبي وشرکاہ، 2/3

Zuraqani, Muhammad Abd al-Azeem, Manahil al-Irfan fi Ulum al-Quran, Matbah Aisa al-Babi, al-Halabi wa Shurakauh, 2/3

[3] الرازي، زین الدین أبو عبد اللہ محمد بن أبي بکر بن عبد القادر (المتوفی: 666ھ)، مختار الصحاح، المکتبة العصریة- الدار النموذجیة، بیروت، 1/13،

Al-Razi, Zain al-Din, Abu Abd Allah Muhammad bin Abi Bakr, Mukhtar al-Sihah, al-Maktabah al-Asriyyah, Al-Dar al-Namozajiyyah, Bairut, 1/13

[4] مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبہ محمدیہ، لاہور، 348

Manna al-Qattan, Mabahith fi Ulum al-Quran, Maktabah Muhammadiyyah, Lahore, 348

[5] الذہبی، محمد حسین، ڈاکٹر، التفسیر والمفسرون، مکتبہ وھبہ، قاھرہ، 1/75

Al-Zahabi, Muhammad Hussian, Dr., Al-Tafir wa Al-Mufassirun, Maktabh Wahbah, Qahirah, 1/75

[6] مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، 350

Mabahith fi Ulum al-Quran,350

[7] الرازي، زین الدین، مختار الصحاح، 1/115

Al-Razi, Zain al-Din, Mukhtar al-Siahah, 1/115

[8] التفسیر والمفسرون، 1/183،   Al-Tafir wa Al-Mufassirun,1/183

[9] ایضاً — Ibid

[10] التفسیر والفسرون ۱/ ۱۸۴ — Al-Tafir wa Al-Mufassirun,1/184

[11] الاعراف 7: 33 — Al-Araf 7:33

[12] ایضا — Ibid

[13] الاسراء17: 36 — Isra: 17:36

[14] آل عمران 3 164 — Al-Imran 3:164

[15] النحل16 : 44 — Al-Nahl 44:16

[16] المائدۃ5 : 67 — Al-Maaidah 5: 67

[17] ترمذی، ابوعیسی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُفَسِّرُ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ ص ۶۶۳ حدیث نمبر: 2951

Tirmazi, Abu Aisa Muhammad bin Aisa, Jamay al-Tirmazi, Bab Ma Ja fi allazi yufassiru al-Quran bi Ra'yihi, 663, Hadith 2951

[18] جامع ترمذی، حدیث نمبر 2950 — Jamay al-Tirmazi,Hadith 2950

[19] جامع ترمذی، حدیث نمبر 2952 — Jamay al-Tirmazi,Hadith 2952

[20] بیہقی، احمد بن حسین، شعب الایمان، ۵۴۰/۳، رقم الحدیث 2082

Baihqi, Ahmad bin Hussain, Shua'b al-Aiman, 3/540, Hadith 2082

[21] التفسیر والمفسرون 1/186 — Al-Tafir wa Al-Mufassirun,1/186

[22] محمد ۴۷: ۲۴ — Muhammad 47: 24

[23] ص 38: 29 — Sad, 38: 29

[24] ابن حنبل، احمد بن محمد، مسند احمد، دار احیاء التراث، رقم الحدیث ۲۸۷۳، 1/ ۵۱۷

Ibn Hanbal, Ahmad bin Muhammad, Musnad Ahmad, Dar Ihya al-Turath Arabi, Bairut, Hadith 2873, 1/517

۲۵ سنن ابی داود، باب اجتهاد دالرای، رقم الحدیث ۳۵۹۶، ص ۵۱۶

Sunan Abi Dawud, Bab Ijtihad wa Raiy, Hadith 3596, p 516

۲۶ ذہبی، التفسیر والمفسرون، ۱۸۷ — Al-Tafir wa Al-Mufassirun, 1/187

۲۷ ایضاً — Ibid

۲۸ البقرۃ2: 286 — Al-Baqarah 2: 286

۲۹ النحل16: 44 — Al-Nah 16: 44

۳۰ الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد (المتوفى: 505ھ)، إحیاء علوم الدین، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن 1/ 289،

Al-Ghazali, Abu Hamid, Muhammad bin Muhammad, Ihya Ulum al-Din, Maktabah Rashidiyyah, Quetta, ND, 1/289

۳۱ ایضا — Ibid

۳۲ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، مترجم غلام احمد حریری، ملک سنز پبلیشرز، فیصل آباد، 2007، ص ۴۱۴،

Subhi Salih, Dr. Ulum al-Quran, Translated: Ghulam Ahmad Hariri, Malik Sons Publishers, Fasialabad, 2007, 414

۳۳ مناهل العرفان في علوم القرآن، 2/50 — Manahil al-Irfan fi Ulum al-Quran, 50/2

۳۴ سیوطی، عبد الرحمن ابن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، 4، 215/

Suyuti, Abd Rehman bin abi Bakr, Al-Ittiqan Fi Ulum al-Quran, 4/215

۳۵ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، ص185 — Mabahith fi Uloom al-Quran

۳۶ تھانوی، اشرف علی، مولانا، الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص 24

Thanvi, Ashraf Ali, al-Intabahat al-Mufidah an al-ishtabahat al-Jadidah, Maktabah Rehmaniyah, Lahore, 24

۳۷ الحجر16: 29،28 — Al-Hajr, 16: 29

۳۸ النساء4: 1 — Al-Nisa 4:1

[39] الحوالي، سفر بن عبد الرحمن، منهج الأشاعرة في العقيدة- الكبير، دار منابر الفكر، ج ، ص64

Al-Hawali, Safar bin Abd al-Rehman, Manhaj al-Ashairah fi alaqeedah, Dar Manaber, al-Fikr, 1/64

[40] الکھف18:86　　　Al-Kahf, 18:86

[41] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، علوم القرآن، مفتی تقی عثمانی، مکتبہ، دار لعلوم، کراچی، ص 407--419

Taqi Usmani, Ulum al-Quran, Maktabah Dar al-Ulum, Karaci, 407-419

[42] البقرۃ2:60　　　Al-Baqarah 2: 60

[43] ۔ تفصیل کے لئے دیکھیے، تفسیر القرآن، سر سید احمد خان، خدا بخش لائبریری، انڈیا، البقرہ2:60

Sayyed Ahmad Khan, Tafsir al-Quran, Khuda Bakhsh Library, India, al-Baqarah 2: 60

[44] البقرہ2:62　　　Al-Baqarah 2: 62

[45] ابو الکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن، اسلامی اکیڈمی، لاہور س ن، ج1، ص 277

Abul Kalam, Azad, Tarjuman Al-Quran, Islamic Academy, Lahore, ND, 1/277

[46] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، باب　وُجُوبِ الإِيمَانِ بِرِسَالَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- إِلَى جَمِيعِ النَّاسِ وَنَسْخِ الْمِلَلِ بِمِلَّتِهِ، رقم الحدیث 403

Muslim bin Hajjaj, Al-Jamay al-Saheh, Bab: Wujoob al-Aiman bi risalah nabiyyina.., Hadith 403

[47] تفسیر القرآن۔ ج1، ص 47　　　Tafsir al-Quran, 1/47

[48] کاندھلوی، محمد مالک، مولانا، منازل العرفان فی علوم القرآن، ناشران قرآن، لاہور، س ن، ص264

Kandhalvi, Muhammad Malik, Manazil al-Irfan fi Ulum al-Quran, Nashiran Quran, Lahore, Nd, 264

[49] البقرۃ2:26　　　Al-Baqarah 2: 26

[50] المائدہ 38:5　　Al-Maaidah 5: 38

[51] المشرقی، عنایت اللہ، علامہ، تذکرہ، دفتر الاصلاح، لاہور، س ن، ج2، ص253

Al-Mashraqi, Inayat Ullah, Tazkarah, Dafter al-Islah, Lahore, ND, 2/253

[52] الانعام 116:6　　Al-Inam 6: 116